اردو اسکا

International Peer Reviewed& Refereed Journal For Urdu

2320-8910, ISSN: 2320-5369

OLARS KI DUNIYA-IRJU

OS IMPACT FACTOR: 3.527

al Impact Factor: 0.383

Factor-Berlin Brandenburg,
Germany
bal Series Directory, USA
earch Journals Indexing, India
lia
ational Research Library)
strasse-Diepoldsau- Switzerland

S • Malegaon• MAHARASHTRA• INDIA

Urdu Sahitya Academy Award 20_5
(Maharashtra State)

JOURNAL INDEXED IN

GIF GLOBAL IMPACT FACTOR

Scientific Indexing Services

calaméo

Yumpu

WorldCat

COSMOS IMPACT FACTOR

slideshare

شجاع خاور: شخص اور شاعر

ڈاکٹر منور حسین

شعبہ اردو، فیکلٹی آف آرٹس و ہیومینٹیز، خواجہ معین الدین چشتی لینگویج یونیورسٹی، لکھنؤ، اتر پردیش۔ انڈیا

مختصر تعارف:

شجاع الدین ساجد ملقب بہ شجاع خاور کی ولادت قصبی شہر کے محلہ روڈگراں (لال کنواں) میں ۲۴ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔ ان کے والد امیر حسن نہایت نیک سیرت اور سادہ لوح انسان تھے۔ شجاع خاور نے ابتدائی تعلیم ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۳ء تک فراش خانہ کے مظہر الاسلام اسکول میں پہلی سے آٹھویں جماعت تک حاصل کی۔ اس کے بعد اینگلو عربک ہائر سیکنڈری اسکول اجمیری گیٹ دہلی اور دلی کالج (دہلی یونیورسٹی) سے فارسی، اردو اور انگریزی میں بی اے آنرز اور انگریزی ادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۷۲ء میں ایک سال کے لیے میو کالج نوح (گڑگاؤں) میں انگریزی پڑھائی اور پھر ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۴ء تک دلی کالج میں انگریزی کے لکچرر مقرر ہوگئے لیکن اسی دوران وہ آئی پی ایس کا امتحان پاس کرکے دہلی پولیس کے افسر بن گئے۔ محکمہ پولیس میں وہ شجاع الدین ساجد اور شاعری میں شجاع خاور کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ شروع ہی سے ذہین اور زندہ دل انسان تھے۔ انگریزی، فارسی اور اردو ادب کے مطالعے نے انھیں طالب علمی ہی کے زمانے میں غیر معمولی لیاقت و صلاحیت کا حامل بنا دیا تھا۔

شجاع خاور نے ۱۹۶۴ء سے اپنی شعر گوئی کا آغاز کیا تھا۔ وہ اپنے ادبی اور تخلیقی سفر کا ذکر اپنے مجموعہ کلام "اللہ ہو" میں اس طرح کرتے ہیں:

"نوجوانی عمر سے ہی شاعری میری شخصیت کا حصہ بننا شروع ہوگئی تھی کیوں کہ میرا شعری سفر ۱۹۶۴ء سے شروع ہوگیا تھا چنانچہ طالب علمی کے زمانہ میں ہی میں نے تاج محل پر اردو میں لکھی گئی نظموں کو منتخب کیا۔ ان پر اپنے تبصرے لکھے اور اپنی پہلی کتاب "اردو شاعری میں تاج محل" کے نام سے ۱۹۶۶ء میں شائع کرائی۔ اس مجموعہ میں میری اپنی نظم بھی شامل تھی۔ ۱۹۷۰ء میں میری طویل نظم "دوسرا شجر" کے نام سے شائع ہوئی۔ یہ طویل نظم جو ۶۰۰ مصرعوں پر مشتمل تھی اور اشاعت سے دو سال پہلے یعنی ۱۹۶۸ء میں تخلیق ہوئی تھی۔ یہ نظم تخیل کے عمل سے گزرتے ہوئے شاعر کے ان ذہنی سوالات پر مشتمل تھی جو کائنات، انسان، وقت اور خدا کے بارے میں مجھے پریشان کرتے رہتے تھے۔ زندگی کی ابتدا اور نوجوانی کا عرصہ ادب کی وادیوں میں گزرتا رہا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کالجوں میں انگریزی ادب کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور تقریباً دو برس بعد باقاعدہ سرکاری ملازمت میں شامل ہوا۔ ملازمت نے میری شخصیت کو ایک دوسری طرح کی شناخت کا نمونہ بنا دیا۔ حالاں کہ میری بنیادی اور اصلی شناخت ایک آزاد خیال تخلیق کار یا شاعر ہی کی تھی"۔ اس طرح انھوں نے اپنے تخلیقی اور ادبی سفر کا آغاز کیا۔

ان کی تصنیفات و تالیفات میں "اردو شاعری میں تاج محل" (مرتبہ) ۱۹۶۸ء، "دوسرا شجر" ۱۹۷۰ء، "داوین" (شعری مجموعہ) ۱۹۸۲ء، "مصرع ثانی" (غزلیات) ۱۹۸۷ء، "غزل پارے" (منتخب اشعار) ۱۹۹۰ء، "بات" (غزل دیوناگری رسم الخط میں) ۱۹۸۷ء، "رشک فارسی" (مجموعہ غزلیات) ۱۹۹۳ء، "اللہ ہو" (شعری مجموعہ) ۲۰۰۰ء وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۵ جنوری ۲۰۱۲ء دل کا زبردست دورہ پڑا جس کے سبب ان کو ہسپتال میں داخل کرایا گیا اور ۱۹، ۲۰ جنوری ۲۰۱۲ء کی درمیانی شب دل کی بیماری نے

آخر وقت تک ... [illegible] ... ان کی آواز کانوں میں گونج رہی ہے

مجھ کو تو مرنا ہے اک دن یہ مگر زندہ رہے
کاروبار [illegible] کی موت کا کیا ہے یہ زندہ رہے

اپنے اپنے گھر چلیں گے
ہم سے اب ان مرحلوں سے

شجاع موت سے پہلے ضرور جی لینا
یہ کام بھول نہ جانا بہت ضروری ہے

شجاع کی شخصیت اور شاعری پر دانشوروں کے تاثرات

آزادی کے بعد جدید اردو غزل میں جن شاعروں نے بڑی کامیاب نمائندگی کی ہے ان میں شجاع خاور کا نام بھی خاص طور سے لیا جاتا ہے۔ جدیدیت سے وابستہ شاعروں کے لیے یہ جو تاثر ہے کہ انھوں نے شاعری کو ایک الگ ہی دنیا میں پہنچا دیا تھا۔ ان کی شاعری اور شخصیت میں جس اقدار کا رچاؤ بسا تھا وہ شاید انھیں ایک منفرد شاعر بناتی ہے۔ قرۃ العین حیدر، آل احمد سرور، پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر محمد حسن، شمس الرحمن فاروقی، خلیق انجم، علی احمد فاطمی، ابن کنول، مظہر امام وغیرہ جیسے ممتاز ادیبوں، دانشوروں اور شاعروں نے شجاع خاور کی شاعری کا اعتراف کیا ہے اور ان کے شعری خصوصیات، اسلوب بیان، مضمون آفرینی، فن غزل گوئی پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان میں سے بعض مشہور ادیبوں، دانشوروں اور شاعروں کے آراء و نظریات کو یہاں پر پیش کرنا ضروری ہے جس سے ان کی شخصیت اور شاعرانہ عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آل احمد سرور کے نزدیک "شجاع خاور کی شاعری کی سب سے نمایاں خصوصیت کیا ہے؟ میرے نزدیک یہ Wit یا ذہانت کی ہے جس کے ذریعے سے انھوں نے ہر جگہ ایک طنز کے پن سے زندگی کا مشاہدہ کیا مگر اس طنز کے پن میں ایک قلندرانہ شان ہے۔"

قرۃ العین حیدر کا خیال ہے کہ "شجاع خاور کا کمال یہ ہے کہ ان کے کتنے ہی اشعار حوالے کے طور پر Quote (نقل) کیے جا سکتے ہیں۔۔۔ ان کے اشعار گنگناتے اور بے جان نہیں ہوتے ان میں فکر، برجستگی اور ذات بیانی کے عناصر بیک وقت ملتے ہیں اور یہ بڑی بات ہے"۔

شمس الرحمن فاروقی شجاع خاور کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "شجاع خاور نے شعر میں گفتگو اور عام بول چال کے محاورے میں فلسفے کا جو پٹ ملا دیے ہیں وہ ان سے پہلے انھیں کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ اب تک کسی کے ہاتھ نہیں لگا۔۔۔ ان کے بزرگوں اور معاصرین میں کسی نے یہ باتیں اس ڈھب سے نہیں کہی تھیں"

پروفیسر محمد حسن شجاع خاور کی شاعری کی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "غزل میں سہل ممتنع کی شاعری کو اعلیٰ ترین سطح کی شاعری سمجھا جاتا رہا ہے اور سہل ممتنع کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ اس کی نثر نہ ہو سکے اور شعر میں نثر کا سا روزمرہ قائم رہے۔ یہ خصوصیت شجاع خاور کے کلام میں موجود ہے"

ڈاکٹر خلیق انجم ان کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا اس طرح اظہار کرتے ہیں "ان کی شاعری کے بارے میں میرا خیال ہے کہ دلی کی زبان پر اتنی قدرت شاید کسی کو حاصل نہ ہو۔ شجاع خاور کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اپنی زندگی سے انھیں غیر معمولی آگہی تھی۔ گو وہ انگریزی کے لکچرر بھی رہے لیکن وہ اپنے عہد کو بڑی گہرائی سے سمجھتے تھے اور پھر اس تجربے کو شاعری میں منتقل کرتے تھے"۔

پروفیسر علی احمد فاطمی ان کی شاعری کے بارے میں یوں رقمطراز ہوتے ہیں "ان کی شاعری میں ایک عجیب قسم کا نوکیلا پن اور ساتھ بانکپن بھی تھا۔ کبھی ایسا لگتا تھا کہ ان کی غزل میں کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن اس کے بطن میں اتریے تو ایک جہانِ معنی آبشار کی طرح ابلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

موجودہ دور کے مشہور شاعر وسیم بریلوی ان کی شاعری کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں: "اردو شاعری کا نیا منظر نامہ پیچیدہ ادبی محاذ سے سنبھلنے میں متا وقت لے مگر اس میں شک نہیں کہ شجاع خاور جیسے فکری جمود کو توڑنے والے اور روایتی ذہنوں کو اپنی ذکاوت بردوش آہنوں سے چونکانے والے روز روز پیدا نہیں ہوتے۔"

پروفیسر اختر الواسع ان کے فنی کمالات کے بارے میں کہتے ہیں: "شجاع خاور کا کمال یہ تھا کہ انھوں نے ایک طرف جہاں فنی کمالات پر نظر رکھی وہیں انھوں نے بے تکلف شعر کہنے کی روایت کو بھی برقرار رکھا۔"

پروفیسر ابن کنول شجاع خاور کو بیسوی صدی کے نصف آخر کا ایک نمایاں شاعر تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "شجاع خاور نے بیسویں صدی کی آٹھویں اور نویں دہائی میں اپنے منفرد لہجے اور شاعرانہ بانکپن سے دہلی اور اردو شاعری میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا۔ دہلی کے لب و لہجے اور مخصوص ٹکسالی زبان پر شجاع خاور کو اس قدر عبور حاصل تھا کہ جس کی وجہ سے انھوں نے اپنے معاصر شعرا میں اپنی علاحدہ شناخت قائم کر لی تھی۔"

غزل میں روایتی طور طریقے، لفظیات، اسالیب اور رنگ و آہنگ کی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ بعض شعرا نے ان سے اخذ و اکتساب کیا اور بعض نے ان کو رد بھی کیا لیکن چند ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنی الگ راہ نکالی اور چند نے تو انھیں راہ پر چلنا مفید سمجھا اور ان کی پیروی کی ہے۔ روایتی اور کلاسیکی شاعری سے اپنی ذہنی و جذباتی وابستگی کے باوجود شجاع خاور کی شاعری میں بغیر سوچے سمجھے اندھی تقلید اور بے جا پیروی کا پہلو نظر نہیں آتا۔ شجاع خاور کی اسی خوبی اور منفرد لب و لہجہ کی تعریف معتبر نقاد پروفیسر گوپی چند نارنگ اس انداز میں کرتے ہیں:

"روایتی غزل میں تو سب خیریت ہی خیریت ہے اس انبوہ میں تو ہو چاہے جو کہ کاوش شریک ہو سکتا ہے لیکن نئی غزل میں بار پانا اور اپنی آواز الگ سے پہچانا جانا اتنا ہی مشکل ہے۔ شجاع اپنے اطراف کی غزل اور اس کی بندھی ٹکی لفظیات سے شدید طور پر نا آسودہ ہیں۔ کوئی بھی شاعر انحراف کی راہ پر تبھی نکلتا ہے جب وہ موجود اور مانوس سے سخت نا مطمئن ہو یا کسی داخلی اضطراب سے دوچار ہو یا طرفگی اور تازگی کی جمالیات مرتب کرنے کے لیے سب پتواروں پر لگانے کو تیار ہو۔ شجاع خاور نے بغاوت کی راہ اتفاقاً نہیں ارادتاً اختیار کی ہے۔ لفظ جب تخلیق کی تپش سے گرماتا ہے تو معنی لو دینے لگتا ہے۔ شجاع خاور نے بنی بنائی پٹری پر چلنے سے انکار کیا ہے اس لیے لفظیات وضع کرنا بھی ضروری تھا تاکہ عامیانہ تصورات کو چیلنج کیا جا سکے۔ غزل کی روایتی لفظیات پر اشرافیہ کے رکھ رکھاؤ کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ شجاع خاور نے پہلا کام یہ کیا کہ رسمیات کے رنگین پردوں کو الگ کر دیا، جہاں رسمیات اور مرصع کاری ہوگی وہاں بورژوائیت بھی ہوگی۔ شجاع کا تخلیقی رویہ بنیادی طور پر اسی ملفوظی بورژوائیت سے گریز کا ہے۔ بورژوائیت دراصل پابستگی رسم و رہ عام کا دوسرا نام ہے اس لیے محفوظ ترین راہ عمل بھی ہے۔ اس کے برعکس انحراف خطرات مول لینے کا کھیل ہے۔ شجاع رسمیات اور فرسودگی اسالیب کے تئیں چونکہ بے حد حساس ہیں چنانچہ ان کے لیے اپنی انفرادیت کو منوانا اور ہر طرح کے Doxa کو رد کرنا بے حد ضروری تھا۔"

شجاع خاور کی شاعری آج کے انسانی مسائل کی عکاسی کرتی ہے اس میں ایک الگ طرح کی برجستگی ہے جو انھیں دوسرے شاعروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ایک بڑی خوبصورتی دلی کی اس ٹکسالی زبان کا استعمال ہے جو ان کے شعروں میں دو آتشہ کا مزہ دیتی ہے۔ شجاع خاور کے کلام کی بے ساختگی، بے باکی، فکری گہرائی اور خاص ٹکسالی لب و لہجہ نہ صرف اردو غزل کے انوکھے تیور اور نئے مزاج کو ظاہر کرتا ہے بلکہ تصنع اور بناوٹ سے پاک سچی بات صاف صاف کہنے کا ڈھنگ انداز اور قلندرانہ مستی غزل کے ہزار رنگوں میں ایک بالکل نئے رنگ کا اعلان بھی ہے۔ لگی لپٹی کے بجائے صاف لفظوں میں کہا جائے تو داغ کے بعد دلی اسکول نے کوئی ایسا بڑا شاعر پیدا نہیں کیا جسے شجاع خاور کے مماثل دیکھا جا سکے بقول ڈاکٹر خلیق انجم:

"دلی اور لکھنؤ اردو زبان کے اہم مراکز رہے ہیں ان دونوں مقامات سے صف اول کے ایسے ادیب اور شاعر پیدا ہوئے جو تاریخ ادب اردو کا روشن ترین باب ہے لیکن ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی میں ان دونوں شہروں میں صف اول کے فن کار پیدا ہونا بند ہو گئے۔ بیسویں صدی کے تمام بڑے شاعر دلی اور لکھنؤ سے باہر پیدا ہوئے۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے صرف علامہ اقبال، جوش، فراق، جگر، اصغر، حسرت، ساغر نظامی، فیض، روش صدیقی، سردار

عصری میلان، شاعر اختر وغیرہ کے نام مثال کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔ دلی میں ساقی اور بیخود پیدا ہوئے، زبان، محاورہ اور روزمرہ کا استعمال جیسے شاعروں کا خاصا ورثہ ہے لیکن یہ دونوں اپنے عہد کے ممتاز شاعر تو ہیں بڑے شاعر نہیں ہیں۔ بہت طویل عرصہ بعد سرزمین دلی سے ایک بڑا شاعر شجاع خاور۔ شجاع خاور کو دلی کی زبان پر وہ قدرت حاصل ہے جو "داغ اسکول" کے اساتذہ کو تھی لیکن وہ "شمع میر" سے ہی جلانے کو ضروری کرتی" بجھ شاعری نہیں کرتے۔ اپنے گرد پھیلی ہوئی زندگی پر ان کی گہری نظر ہے۔ وہ عصری زندگی کے مسائل اور خاص طور سے زندگی کے تضادات کو بے تکلفی اور کبھی کبھی غیر سنجیدگی سے بیان کرتے ہیں لیکن اس غیر سنجیدگی پر ہزار سنجیدگی قربان"۔

شجاع خاور کی غزل گوئی کی خصوصیت کو ظ۔ انصاری کچھ اس انداز میں کرتے ہیں:

"شجاع خاور کو اردو کا کلاسیکی سرمایہ پر خوب عبور ہے۔ وہ اگلوں کے لہجے میں بات کرنے کو نہ نقل سمجھتا ہے نہ وہ اس سے شرماتا ہے۔ وہ رنگ تغزل سے اور ٹھوس بات کو ٹھوس لفظوں میں کہنے سے نہ جھجکتا ہے نہ اس کو اپنی شناخت بناتا ہے۔ نہ وہ نثری جملوں کی موزونیت کو شعر سے کاٹ کر کا لفظوں کی ذات برادری پوچھتا ہے۔ قدرت کلام اور فنی مشاقی اس کلام کی مقدار سے نہیں اس صفت سے ظاہر ہوتی ہے"۔

شجاع خاور کی شاعری

بیسویں صدی کے نصف آخر کے ان باکمال شاعروں میں شجاع خاور کا شمار ہوتا ہے جنھوں نے اپنے ہمعصر شاعروں سے ہٹ کر اور منفرد لہجہ اختیار کیا ہے۔ انھوں نے غزل کی فکری و معنوی پس منظر کو وسعت عطا کی ہے اور اگر زبان کی سطح دیکھا جائے تو انھوں نے غزل کو نیا پن بھی دیا غزلوں میں کلاسیکی شاعری بھی موجود ہے اور قدیم شاعروں کا آہنگ بھی پایا جاتا ہے۔ شجاع خاور کی شاعری نے انگریزی کے بہترین شاعروں کا ر دعا لیا۔ ان سے کلام میں غالب اور ذوق کا رنگ بھی تھا اور دلی کی گلیوں میں تیرتی ہوئی ماضی کی فضاؤں کی روایتی شوخی اور زندہ دلی بھی۔ نئے فکری رجحا نکالر شجاع نے اپنی سوچ کو قدیم تہذیبی عمارتوں کے کھنڈرات میں پرواز کا ہنر بخشا ہے:

چارپائی تو استعارہ ہے
زخم بھر آ گیا ہے بان تلک
گیا دشت کو سارا شہر
دیوانہ بچارا جا رہا ہے

اسی طرح انھوں نے بہت سے قدیم مضامین کو نئے آہنگ میں پیش کر کے اپنی لسانی ہنرمندی کا ثبوت پیش کیا ہے:

کر دیا حیران اک تصویر نے
ایسے چپکے ہم کہ پتھر ہو گئے

میر کی ایسی غزل کوئی بھی کیا
سننے والے گھر سے بے گھر ہو گئے

مبارک ساعت تجدید زخموں کو مبارک ہو
میرے گھر پہ کوئی غمخوار ہمدرداں آتا ہے

گریباں چاک اور دامن کے چاک کرنے کا موضوع ہو، صحرا نوردی، وحشت، چاک دامانی وغیرہ جیسے موضوع ہماری غزل کا حصہ رہے ہیں لیکن ان

ISSN 2320-5369, EISSN 2320-8910
IF: Global Impact Factor: 0.383

شجاع خاور نے نئے پہلو نکالے اور نئے انداز میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پیدا ہوں میں ایک نیا زاویہ کرو
وحشت بڑھے تو چاک گریباں سے کرو

یا اس بہار پہ بھی کرو وحشتوں کے وار
یا پھر کہیں پہ چاک گریباں رفو کرو

شجاع میں نے عشق بھلا کہاں کا ہوا
نہ آہ بھری نہ زخم جگر دکھائے گئے

ساری دنیا کر رہی ہے اس کی صحرا میں تلاش
اور دیوانہ چھپا ہے میر کے دیوان میں

ہوش والے دشت کی جانب گئے تھے ایک دن
تب سے دیوانہ جناب دشت سے مفرور ہے

اگر آپ اردو ادب کا مطالعہ کریں گے تو نظر آئے گا کہ میر سے لے کر ندا فاضلی کے اشعار تک یادوں کا ایک طویل سفر ہے لیکن یہ موضوع شجاع خاور کی غزل میں جب بھی آیا نئے انداز سے آیا ہے:

رشتے بنائے ہم نے بھی کیسے نئے نئے
کیا کیا قدم اٹھائے تیری یاد کے خلاف

دل برباد سے یوں مت نکالو اس کی یادوں کو
میاں آساں نہیں ایسے مکینوں کو کہیں ملنا

ایسا نہیں ہے کہ شجاع خاور کی شاعری میں روایت کی پاسداری کا اہتمام نہیں ہے ان کے یہاں روایت کی پاسداری کا اہتمام احتیاط کے ساتھ ملتا ہے بلکہ ان شاعری میں روایت اور کلاسیکیت کا صحت مندانہ اظہار ملتا ہے جس کو ان کی شاعری میں محسوس کیا جا سکتا ہے:

دوائی چارہ گر نے دی بھی تو ہم مر نہیں پائے
مگر تیرے نہ آنے نے یہ دشواری بھی حل کر دی

اندر سے جو بھی حال ہو گھر کا ہوا کرے
باہر سے آرزو کا دریچہ سجا کے رکھ

یہ تنگ خیالی کی باتیں ہیں میاں چھوڑو
ایک اس کا ہی کوچہ کیا سارا جہاں چھوڑو

سیکھ تجھ کو کیسا لگ رہا ہے
سیکھ تو زخم اچھا لگ رہا ہے

شجاع خاور کی شاعری کی ایک خصوصیت قلندرانہ صفت ہے قرۃ العین حیدر نے صحیح کہا ہے کہ ''شجاع خاور کی شاعری میں قلندروں کی سی گونج سنائی دیتی ہے'' اور صوفیانہ مزاج بھی ان کی غزل شاعری کا ایک اہم عنصر رہا ہے۔ اس سلسلے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کسی کا راز، کسی کی زباں کے کوچے
ہمیں بتا نہیں عرفان ذات کا قصہ
ہم صوفیوں کا دونوں طرف سے زیاں ہوا
عرفان ذات بھی نہ ہوا رات بھی گئی
ذرا سا وقت گزارا تو آسماں کے ساتھ
گئی اک عمر زمیں کو حساب دینے میں
اپنے ہی جیسے زمیں لوگ ہیں
آسماں سے ہے یہاں بہتر گزر

شجاع نے غزلوں کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی کہی ہیں خاص طور پر ''دوسرا شجر'' جیسی طویل نظم کو پڑھتے تو ہمیں ''شکوہ جواب شکوہ'' کی گونج سنائی دیتی ہے اور ہمیں علی سردار جعفری کی ''نئی دنیا کو سلام'' کی کیفیت بھی۔ روایت اور جدیدیت کے ساتھ ان کی اپنی مخصوص تخلیقیت نے ان کی شاعری کو دو آتشہ ہی نہیں بلکہ سہ آتشہ بنا دیا۔ ان کی نظموں کا تعلق ان کی شاعری کے ابتدائی دور سے رہا ہے۔ جب وہ لیلائے غزل کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے تو پھر ان کی توجہ نظم کی طرف نہ رہی۔ ان کی نظموں میں تجربے اور طریقۂ اظہار دونوں میں نیا پن نظر آتا ہے۔ تاریخ ادب میں ایک نظم گو کی حیثیت سے شجاع خاور کا نام محفوظ رکھنے کے لیے ان کی طویل نظم ''دوسرا شجر'' کافی ہے۔ یہ نظم ۲۲۲ مصرعوں پر مشتمل ہے جس میں نظم کی تینوں ہیئتوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ نظم دراصل انسان کے بیچارگی کی داستان بھی کہی جا سکتی ہے کیوں کہ نظم جن بنیادوں پر قائم ہے اور خدا سے جس طرح کلام کیا جا رہا ہے اس کا لازمی نتیجہ محرومی در محرومی ہے۔ نظم میں آدم اور خالق کائنات کا مکالمہ فنی قدر و قیمت کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔

کتابیات

۱۔ ''مصرع ثانی'' شجاع خاور، ۱۹۸۷۔

۲۔ ہیں اہل خرد کس روش خاص پہ نازاں، گوپی چند نارنگ، مشمولہ سہ ماہی ادب ساز دہلی، جنوری تا مارچ، ۲۰۱۵۔

۳۔ دوسرا شجر، شجاع خاور، ادارہ پبلیشرز اردو بازار دہلی، بار اول ۱۹۷۰۔

۴۔ غزلیں (دو سو منتخب اشعار) شجاع خاور، غزل آباد کلچرل سوسائٹی، دہلی۔

۵۔ شجاع خاور: خراج دوستاں، پیشکش اے۔ رحمان، ماہی اردو ادب دہلی۔

☆☆☆